

قرآن کا تصور نجات اور مسلمانوں میں رائج تصورات کا تحقیقی مطالعہ

قرآن کا تصور نجات اور مسلمانوں

میں رائج تصورات کا تحقیقی مطالعہ

جناب علی اصغر سلیمی

اسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

Abstract of the Article

Almost all considerable religions hold the concept of life after death. According to Islamic belief the most significant matter is the reason on which salvation depends. Although all the revealed religions basically have the same concept in this regard, but during the passage of time this original concept has been disfigured varily. During the revelation of Quran two basic misconceptions like negligence and satisfaction befallen in the remaining followers of previous revelation (i.e.) Quraish, Jews and Cristians.

قرآن کا تصور نجات اور مسلمانوں میں رائج تصورات کا تحقیقی مطالعہ

1. Negligence is that one should be overjoyed in ones life by disregarding the hereafter.
2. Satisfaction is that one is satisfied by depending upon uneffecting supporters and takes the original suppoerter as unattainable Name, lineage nobility relation and oblations adopted as supporters for salvation. The same concept come in vogue in muslims also. But Quran warns against artificial supporters and guides to depend upon deeds for salvation Intercession should also be the medium of practise not the means of leisure about actions and deeds.

قرآن کا تصور نجات اور مسلمانوں میں رائج تصورات کا تحقیقی مطالعہ

دنیا میں کوئی تصور حیات ایسا نہیں جس میں انسان کی اس دنیا کی زندگی کے بعد کے مراحل پر بحث نہ کی گئی ہو۔ اکثر مذاہب میں مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کا تصور پایا جاتا ہے اور وہ مرنے کے بعد کی زندگی کے اچھے یا برے نتیجے کو اس زندگی کے اعمال پر موقوف ٹھہراتے ہیں۔ الہامی مذاہب میں مرنے کے بعد کی زندگی کا تصور زیادہ واضح ہے۔ ان کے مطابق مرنے کے بعد کی زندگی ابدی ہے اور اس میں کامیابی یا ناکامی کا انحصار اس دنیا کے اعمال پر ہے جیسا کہ اقبال نے کہا:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے (۱)

آخرت میں نجات کے اعمال پر موقوف ہونے کا تصور ایسا سادہ، قابل فہم اور نتیجہ خیز تصور ہے کہ یہ ہر انسان کی فطرت کے اندر موجود ہے۔ یہ ہر غیر جانبدار شخص کے دل کی آواز ہے انسان بغیر کسی خارجی ذریعہ علم کے اگر خود غور کرے اور مرنے کے بعد کی زندگی میں کامیابی کے حصول کے ذرائع متعین کرنا چاہے تو وہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ وہاں اس زندگی کی کارکردگی کے نتائج ہی ظاہر ہونے چاہئیں۔ آخرت میں نجات کا یہ تصور انسان کی زندگی پر بڑے گہرے اور مثبت اثرات مرتب کرتا ہے وہ اسے ایک ذمہ دار، فرض شناس اور جواب دہ ہستی بناتا ہے۔ ہر دور کے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے آخرت میں نجات کا یہی تصور پیش کیا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس سادہ سی حقیقت پر ذہن انسانی کی پراگندگیوں نے ایسے پردے ڈالے

قرآن کا تصور نجات اور مسلمانوں میں رائج تصورات کا تحقیق مطالعہ

اور ان پردوں کو ایسے ایسے تقدس کے غلافوں میں لپیٹا کہ ان میں سے فطری سچائی کو نکھار کر لوگوں کے سامنے لانے کے لئے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنی کوششوں کا ایک بڑا حصہ صرف کرنا پڑا۔

بعثت نبوی ﷺ کے وقت خطہ عرب اور اس کے گرد و پیش میں گذشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کے نام لیوا تین مذہبی گروہ پائے جاتے تھے۔ ان میں ایک مکہ کے قریش تھے جو خانہ کعبہ کے متولی تھے وہ اپنی نسبت حضرت ابراہیمؑ کی طرف کرتے تھے اور انہی کی نسبت سے اپنے آپ کو دین حنیف کا پیروکار کہتے تھے۔ یہ گروہ نبی اکرم ﷺ کا مخاطب اول ٹھہرا۔ فتح مکہ کے بعد اس گروہ کی مذہبی سیادت کا خاتمہ۔ اس طرح ہوا کہ انکی بہت بڑی تعداد نے اسلام قبول کر لیا اور جو کچھ باقی بچے ان کے وجود سے بیت اللہ کو پاک کر دیا گیا۔ بالآخر پورے عرب میں اس مذہب کا ایک بھی پیروکار نہ رہا۔ دوسرا مذہبی گروہ یہود کا تھا۔ عرب میں ان کی قابل ذکر تعداد مدینہ منورہ (جو اس وقت یثرب کہلاتا تھا) اور اس کے گرد و پیش میں آباد تھی۔ اس گروہ کے کچھ لوگوں کو اسلام کی دولت نصیب ہوئی اور باقی منتشر ہو گئے۔ یہ گروہ آج بھی اپنی تعلیمات اور نام کے ساتھ خطہ ارضی پر نہ صرف موجود ہے بلکہ اسرائیل نامی ایک ملک کو اپنے مذہب کے نام میں وجود میں لا کر دنیا کے امن کو تہہ و بالا کرنے کا مرتکب بھی ہو رہا ہے۔ جبکہ تیسرا مذہبی گروہ عیسائیوں کا تھا جن کو قرآن مجید میں نصاریٰ کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اور جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام لیوا تھے۔ عرب کے شمال میں شام اور یورپ میں عیسائیوں کی بہت بڑی حکومت قائم تھی جس کو قیصر روم کی حکومت کہا جاتا تھا اس حکومت کے اثرات دور دور تک پھیلے ہوئے تھے اور یہ حکومت اپنے عہد کی دو بڑی طاقتوں میں سے ایک شمار ہوتی تھی۔

قرآن کا تصور نجات اور مسلمانوں میں رائج تصورات کا تحقیقی مطالعہ

ان تینوں مذہبی گروہوں میں جو باتیں مشترک تھیں ان میں سے ایک ان کے بگڑے ہوئے مذہبی رہنماؤں کا عوام پر تسلط تھا۔ عوام پر مذہبی رہنماؤں کے تسلط کی یوں تو بہت سی شکلیں تھیں مگر ہم ان میں سے دو کا ذکر کر کے عقیدہ آخرت کے بارے میں اسلامی تعلیمات کو ذرا تفصیل سے بیان کریں گے۔

ہر دور میں عام آدمی کے اہم ترین مسائل صرف دو ہی رہے ہیں۔ ایک مسئلے کا تعلق اس زندگی سے ہے جبکہ دوسرا مسئلہ مرنے کے بعد کی زندگی سے تعلق رکھتا ہے اس زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ زندگی کی نعمتوں، سہولیات اور برکتوں کا حصول اور اس کے غموں اور دکھوں سے نجات ہے۔ جبکہ مرنے کے بعد کی زندگی میں گناہوں کے نتائج سے حفاظت اور وہاں کے انعامات، آسائشات اور نعمتوں کا حصول ہے۔ ہر دور کے نبی اور ان کے سچے پیروکاروں نے انسان کے ان دو مسائل کا صحیح حل یہ پیش کیا کہ اس دنیا میں کامیابی کا راستہ اس کی اپنی محنت اور اس کی محنت کے پھل کی راہ کی رکاوٹوں کو دور کرنے کی جدوجہد میں مضمر ہے۔ جبکہ آخرت کی کامیابی کا ذریعہ اس دنیا میں اس کے اچھے اعمال اور خوشنودی رب کے لئے کیا ہوا اس کا ہر کام ہے اس طرح پوجا اور پرستش کے اعمال کے ساتھ ساتھ انسان کی نفع رسانی کے ہر کام کو بھی انہوں نے نیکی قرار دیا بلکہ ان کے ہاں حقوق العباد کی ادائیگی کو زیادہ اہمیت حاصل ہے مگر بگڑے ہوئے مذہبی رہنماؤں نے انسان کو زندگی کی حقیقی جدوجہد کے راستے سے ہٹایا اور پوجا پاٹ کو واحد راہ نجات قرار دے کر اسے اپنی ذات کے گرد جمع کرنے کی راہ پر لگایا۔ انہوں نے انسانوں کو یہ سمجھایا کہ ان کی اس زندگی کی کامرانیوں بھی انہی کی نظر کرم کی مرہون منت ہیں اور ان کی آخرت میں نجات بھی انہی کے طفیل ممکن ہے۔ مزید یہ کہ انسان اپنے عمل سے لاکھ کوشش کرے مگر جب تک ہماری تائید سے

قرآن کا تصور نجات اور مسلمانوں میں رائج تصورات کا تحقیقی مطالعہ

حاصل نہ ہوگی تب تک اس کے اعمال کا کوئی وزن نہ ہوگا۔ مذہبی رہنماؤں کی توجہ حاصل کرنے کا ذریعہ زیادہ تر ہر دور میں نذرانہ اور خدمت ہی رہا۔ یہ وہ گمراہی تھی جو بعثت نبویؐ کے وقت تینوں مذہبی گروہوں نے اپنے اپنے پیروکاروں کے ذہنوں میں پوری طرح بٹھائی ہوئی تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے قرآن مجید کے ذریعے اس گمراہی کا علاج کیا۔ مکی دور کا پیشتر حصہ اصلاح عقائد پر مشتمل ہے۔ اس میں ایک عقیدہ آخرت ہے اس کا اہم ترین سوال یہی ہے کہ آخرت میں نجات کا انحصار کس بات پر ہے۔ قرآن مجید نے اس بات کو واضح کرنے کے لئے اپنا پورا زور بیان صرف کیا ہے کہ آخرت میں نجات کا انحصار صرف اور صرف انسان کے اعمال پر ہے۔ سورۃ الاعراف میں ہے

﴿..... وَالْوِزْنَ يَوْمَئِذٍ الْحَقِّ فَمَنْ تَقَلَّتْ مُوَاظِنُهُ فَاُولَئِكَ هُمُ الْمَفْلُحُونَ وَمَنْ خَفَّتْ مُوَاظِنُهُ فَاُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ بَمَا كَانُوا بِآبَائِنَا يَظْلُمُونَ (۲)﴾

”اس دن وزن صرف حق کا ہوگا۔ پس جن کے پلڑے وزنی ہوں گے وہ فلاح پانے والے ٹھہریں گے اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے وہی ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں مبتلا کیا۔ کیونکہ وہ ہماری تعلیمات کا انکار کر کے اپنے اور ظلم ڈھاتے رہے“۔ قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ مرنے کے بعد ہر انسان انفرادی حیثیت میں اللہ کے سامنے پیش ہوگا اور اسے اسی حیثیت میں اپنی زندگی کا حساب دینا ہوگا۔

تفسیر طبری میں اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں لکھا ہے:

”ومعنى الكلام والوزن يوم نساءل الذين أرسل اليهم

قرآن کا تصور نجات اور مسلمانوں میں رائج تصورات کا تحقیقی مطالعہ

والمرسلین الحق حدثنی المثنیٰ . قال ثنا ابو حذیفه قال ثناء
سُنبل عن ابی بخیع، عن مجاهد والوزن یومئذ القضاء وکان
یقول معنی الحق هنا ”العدل“ وقال الاخرون معنی قوله
(والوزن یومئذ الحق) وزن الاعمال (۳)

سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۹۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فَرْدًى كَمَا خَلَقْنَاكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ.....﴾ (۴)

”بے شک تم ہمارے سامنے اس طرح تنہا حاضر ہو گئے ہو جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا“۔ انسان اس دنیا میں اکیلا آتا ہے اور اس حالت میں وہ نہایت بے بس اور دوسروں کی مدد کا مکمل طور پر محتاج ہوتا ہے۔ اگر اسے اس وقت خارج سے سہارا نہ ملے تو وہ اپنی زندگی کی ساعتوں کو بھی برقرار نہ رکھ سکے۔ مگر طاقت حاصل کرنے کے بعد وہ اپنی بے بسی کو بھول جاتا ہے۔ سہارے ملنے کے بعد وہ جواب دہی کو بھول جاتا ہے۔ نعمتیں پانے کے بعد شکر کو بھول جاتا ہے۔ اسے احساس نہیں رہتا کہ اس کا ہر ہر لمحہ ریکارڈ ہو رہا ہے اور اسے اس کا جواب دینا ہے۔ ارشاد خداوندی اسے اسی حقیقت کی یاد دہانی کرواتا ہے۔ فرمایا ﴿وان علیکم لحفظین کراماً کاتبین.....﴾ (۵) بے شک تم پر نگرانی کرنے والے مقرر ہیں۔ وہ بہت معزز ہیں تمہارے اعمال ان کے علم میں ہیں اور ان کو ضبط تحریر میں لارہے ہیں۔ قرآن مجید انسان کو نجات کے لئے عمل کے سوا کسی ذریعے سے متعارف کراتا ہے اور نہ عمل کے سوا کسی اور راستے کی طرف لے کر جاتا ہے۔ لہذا عمل کی درست نگرانی کا ثبوت کراماً کاتبین سے پیش کرتا ہے۔ مولانا اصلاحی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

قرآن کا تصور نجات اور مسلمانوں میں رائج تصورات کا تحقیقی مطالعہ

ان فرشتوں کی صفت کرام سے مقصود اس حقیقت کی یاد دہانی ہے کہ جس ڈیوٹی پر یہ معمور ہیں۔ اس کو نہایت فرض شناسی پوری احساس ذمہ داری اور کامل غیر جانبداری کے ساتھ انجام دے رہے ہیں نہ کام چوروں کی طرح اپنے فرض سے کوئی غفلت برتتے، نہ احساس ذمہ داری سے محروم لوگوں کی طرح کبھی دفع الوقتی اور مد اہنت سے کام لیتے اور نہ کسی کے دباؤ یا اس کی خوشامد میں آنے والے ہیں کہ کسی کے ساتھ غیر جانبداری برتیں۔ (۶)

قرآن مجید کی یہ وضاحت انسان کو اس کے اپنے عمل کے بارے میں اس مایوسی اور بے یقینی سے نکال دیتی ہے جو کم فہم لوگوں میں عام طور پر پیدا ہو جاتی ہے کہ انسان نیک عمل کرنے کے بعد بھی شک و شبہ ہی میں مبتلا رہتے ہیں کہ نہ معلوم ان کا عمل بارگاہ ایزدی میں مقبول ہوا ہے یا نہیں۔ قرآن مجید انسان کو یقین کی دولت سے مالا مال کرتا ہے وہ اسے بتاتا ہے کہ تمہارے اعمال کا ریکارڈ دو قسم کا ہوگا۔ اچھے اعمال کا ریکارڈ اور برے اعمال کا ریکارڈ، جو ریکارڈ زیادہ ہوگا انسان کے ساتھ سلوک بھی اسی قسم کا ہوگا۔ قرآن مجید میں ارشاد باری ہے:

﴿فاما من اوتى كتبه بيمينه فيقول هاؤم اقرءوا كتبه، انى ظننت انى ملق حسابيه، واما من اوتى كتبه بشماله فيقول يلىتنى لم اوت كتبه ۞ ولم ادر ما حسابيه ۞ يلىتها كانت القاضيه ۞ ما اغنى عنى ماليه هلك عنى سلطنيه﴾

(۷)

”پس جس کو اس کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا آؤ دیکھو اور پڑھو میرا اعمال نامہ۔ مجھے یقین تھا کہ مجھے حساب کتاب کے مرحلے سے گزرنا ہے۔ پس اسے تو ملے

قرآن کا تصور نجات اور مسلمانوں میں رائج تصورات کا تحقیقی مطالعہ

گی من پسند زندگی۔ دوسرے گروہ کے بارے میں ارشاد فرمایا جس کو اس کے اعمال کا ریکارڈ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا کاش مجھے میرا اعمال نامہ دیا ہی نہ جاتا اور نہ معلوم ہوتا مجھے میرا حساب کتاب۔ کاش میری موت ہی فیصلہ کن ہوتی۔ یعنی میں مرکز مٹی ہو جاتا اور حساب کتاب کے لئے دوبارہ نہ اٹھنا پڑتا۔ میرا وہ مال جو میں نے ناجائز طریقوں سے جمع کیا تھا وہ میرے کچھ کام نہ آیا اور میرا اقتدار و طاقت جس کی بنا پر مجھے کوئی خوف اور خطرہ نہ تھا اور ہر طرح کے ظلم اور زیادتیاں کرنے پر قادر اور حالات کو اپنے حق میں سازگار کرنے کا ماہر تھا وہ مجھ سے چھن گیا۔

امام زحشری نے اس آیت کی وضاحت کچھ اس انداز میں فرمائی ہے:

..... یعنی انہ کان فی الدنيا مترفاً بطراً مستبشراً كعادة
الفسجار الذين لا يهتمهم امر الاخره ولا يفكرون في العواقب
ولم يكن كئيبا حزيناً متفكراً كعادة الصالحاء والمتقين
وحكاية الله عنهم (انا كنا قبل في اهلنا مشفقين) (وظن ان لن
يحور) لن يرجع الى الله تعالى 'تكذيباً بالمعاد لقال لا يحور
ولا يحول. اى لا يرجع ولا يتضرراً قال لبید. "یحور رماداً بعد
اذ هو ساطع" (۸)۔

درج بالا عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل جنت سے بھی خطائیں سرزد ہوتی ہوں گی مگر ان کی اس دنیا میں نیکیوں کی کثرت اور خطاؤں کے اعتراف اور ان پر استغفار کر کے معاف کروالینے کی وجہ سے ان سے درگزر ہوگا اور ان کا حساب آسان ہو جائے گا۔ مگر گناہ گاروں

قرآن کا تصور نجات اور مسلمانوں میں رائج تصورات کا تحقیقی مطالعہ

کا نامہ اعمال ہی بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور اس کا سبب ان کی عقیدہ آخرت سے بے پرواہی ہوگی۔ اور دنیا کی زندگی میں اپنی خواہشات کی پیروی اور اللہ کی نافرمانی میں پڑے رہنے جیسے امور ہوں گے جب ان کے نامہ اعمال میں خیر اور نیکی کا پلڑا ہوگا تو ان کا حساب بھی آسان نہ رہے گا بلکہ وہ اللہ کی سخت گرفت میں آجائیں گے۔

وقت نے دور حاضر میں امت مسلمہ میں عقیدہ آخرت سے متعلق اس ابلے صاف اور واضح تصور کو دھندلا کر دیا اس کی جگہ خود ساختہ اور مناسب حال تصورات نے لے لی۔ عوام میں آخرت کے بارے میں گمراہی دو طرح کی پائی جاتی ہے۔

۱۔ غفلت۔

۲۔ اطمینان۔

غفلت یہ ہے کہ لوگ آخرت کی جواب دہی سے بے پرواہ ہو گئے ہیں۔ آخرت کے بارے میں اس غفلت کے اسباب بالائی طبقے اور نچلے طبقے میں مختلف ہیں۔ بالائی طبقہ اپنی دولت، اقتدار اور جاہ و حشمت سے بھرپور زندگی کے مزے اڑانے میں مست رہتا ہے۔ حقوق کی ادائیگی حساب کتاب اور جواب دہی کا تصور ہی اس کے لئے رنگ میں بھنگ ڈالنے کے مترادف ٹھہرتا ہے۔ لہذا آخرت میں جواب دہی کا کوئی کلمہ اگر اس کے کان میں پڑتا بھی ہے تو وہ اسے اپنے عیش و نشاط میں محل سمجھ کر اس سے نگاہیں پھیرنے اور اسے اپنے ذہن سے نکال پھینکنے میں عافیت سمجھتا ہے۔ نچلے طبقے کی غفلت یہ ہے کہ وہ معاشرے میں قائم ظالمانہ اور استحصالی نظام کی چیرہ دستیوں، حق تلفیوں، نا انصافیوں، بے چارگیوں اور مصائب و آلام میں اس قدر گھرا ہوتا ہے کہ اسے آخرت کی زندگی کے بارے میں سوچنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ وہ زندگی کی تلخیوں سے

قرآن کا تصور نجات اور مسلمانوں میں رائج تصورات کا تحقیقی مطالعہ

تنگ آ کر زندگی سے پیچھا چھڑانے کے لئے موت کی تمنا بھی کرتا ہے مگر اسے موت بھی اپنے وقت پر ہی آتی ہے۔ یہ تو بالائی اور نچلے طبقے کی آخرت کے بارے میں غفلت کا حال تھا۔

غفلت کی وضاحت کے بعد اب ذرا ایک نظر اطمینان کی حالت پر ڈالتے ہیں۔ آخرت کے بارے میں اطمینان عام طور پر درمیانے طبقے میں پایا جاتا ہے۔ درمیانہ طبقہ شعور حیات کی خوبی سے متمتع ہوتا ہے۔ دور زوال میں اس کا شعور حیات بھی ناقص ہو جاتا ہے۔ آخرت میں نجات کے لئے یہ اپنے عمل پر انحصار نہیں کرتا کیونکہ اس کے نزدیک نیکی کا تصور اس قدر ارفع اور بلند ہوتا ہے کہ وہ محض اس کی تمنا کر سکتا ہے۔ مگر اس کو پانہیں سکتا۔

حالانکہ قرآن کا تصور اس کے بارے میں بالکل واضح ہے۔ سورۃ البلد میں آتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَةً

فَادْخُلِي فِي عِبْدِي وَإِذْخُلِي جَنَّتِي﴾ (۹)

اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف چل تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

تفسیر طبری میں نفس مطمئنہ کی وضاحت کچھ یوں آتی ہے:

يقول الله تعالى ذكره مخبراً عن قيل الملائكة

لأوليائِهِ يوم القيامة يا أيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ يَعْنِي بِالْمَطْمَئِنَّةِ

الَّتِي أَطْمَئِنَّتْ إِلَىٰ وَعْدِ اللَّهِ الَّذِي وَعَدَ أَهْلَ الْإِيمَانِ لَهُ فِي الدُّنْيَا

مِنَ الْكِرَامَةِ فِي الْآخِرَةِ. فَصَدَقْتَ بِذَلِكَ. حَدَّثَنَا ابْنُ

قرآن کا تصور نجات اور مسلمانوں میں رائج تصورات کا تحقیقی مطالعہ

عبدالاعلیٰ قال: ثنا ابو ثور عن معمر عن فتاده والحسن في قوله (يايتها النفس المطمئنة) المطمئنة الى ما قال الله والمصدقة بما قال الله حدثنا ابن بشار قال ثنا عبد الرحمن قال ثنا سفيان عن منصور عن مجاهد (يايتها)
ايقنت بان الله وبها وضربت لامره جاشا“ (۱۰)

تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے:

على إرادة القول وهي التي اطمأنت بذكر الله فان النفس ترقى في سلسلة الاسباب والمسببات الى الواجب لذاته فتستقر دون معرفته وتستغنى به عن غيره او الى الحق بحيث لا يريها شك أو الأمانة التي لا يستفزها خوف ولا حزن. وقد قرئ لها (ارجعي الى ربك) الى امره او مدعده بالموت ويشعر ذلك لقوله تعالى (فادخلي في عبادي) في جملة عبادي الصالحين (وادخلي جنتي) معهم او في زمرة المقربين (۱۱)۔

تفسیر کشاف میں نفس مطمئنة کو اس طرح واضح کیا گیا ہے:

على إرادة القول اي يقول الله للمؤمن (يايتها) اما ان يكلمه اكراماً له كما كلم موسى صلوات الله عليه او على

قرآن کا تصور نجات اور مسلمانوں میں رائج تصورات کا تحقیقی مطالعہ

لسان ملک (والمطمئنة) الامنة التي لا يستفزها خوف ولا
حزن وهي النفس المؤمنة او المطمئنة الى الحق التي سكنها
تلج اليقين فلا يخالجها بشك (۱۲)۔

درج بالا تقاسیر سے نفس مطمئنة کا تصور واضح ہو کر سامنے آتا ہے۔ امام طبری نفس مطمئنة
اس کو کہتے ہیں جس کو اللہ کی بات پر یقین ہو اور جس نے اس کی تصدیق کی ہو اور جو یقین سے اللہ
کے حکم پر چلے۔ اسی طرح قاضی بیضاوی اطمینان کی کیفیات کو واضح کرتے ہیں۔ معرفت کے حصر
کے ساتھ شک اور خوف کی نفی کو اطمینان کہتے ہیں۔ اسی طرح امام زختری یقین کو شک سے خلط
ملط نہ کرنے والے کو نفس مطمئنة کہتے ہیں۔ اسی طرح دیگر تقاسیر سے بھی یہی بات سامنے آتی ہے
اور اس سب کچھ سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کے نتیجے میں انسان کو اطمینان
حاصل ہونا چاہئے کہ اس نے اللہ کی اطاعت کی تو اللہ اس اطاعت پر راضی ہوگا۔ ایک حدیث
مبارکہ سے بھی اطمینان کی انہیں کیفیات کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابی امامہ سے روایت ہے:

وعن ابی امامه ان رجلاً قال رسول الله ﷺ ما الايمان
اذا سرتك حسنتك و ساء ثك سينك فانك مومن قال يا
رسول الله فما الاثم قال اذا حاك في نفسك شئ فدعه
(۱۳)۔

ابی امامہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ سے پوچھا ایمان کیا ہے۔ آپ
نے فرمایا کہ جب تیری نیکی تجھ کو اچھی معلوم ہو اور تیری بدی تجھ کو بری محسوس ہو تب تو مومن ہے۔

قرآن کا تصور نجات اور مسلمانوں میں رائج تصورات کا تحقیقی مطالعہ

پھر اس نے پوچھا یا رسول اللہ گناہ کیا چیز ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب کوئی چیز تیرے دل میں تردد پیدا کرے اور مشتبہ معلوم ہو اس کو چھوڑ دے۔ حضور ﷺ نے ایمان کا نتیجہ نیکی پر اطمینان قرار دیا مگر دروزوال میں ایمان اور نیکی پر اطمینان کا یہ تصور گم ہو گیا اور اس کی جگہ عمل کی بے توقیری کا تصور رائج ہو گیا کہ انسان عمل کر کے بھی نہ کرنے کی طرح ڈرتا رہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نیکی کے اس ارفع تصور تک نہ پہنچ سکنے کی مجبوری انسان کو ایسے تصور نجات کو تسلیم کرنے پر آمادہ کر دیتی ہے جو نجات کی آسان تدابیر پر مبنی ہوتا ہے۔ معاشرے کے طلب و رسد کے مطابق جہاں طلب پیدا ہوتی ہے وہیں رسد کا سامان بھی مہیا ہو جاتا ہے۔ معاشرے میں حقیقی نیکی تک رسائی کے ناممکن ہو جانے کے بعد نجات کی آسان راہ کی طلب شدت سے پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر اللہ کی بات پر دھیان دیا جاتا تو نیکی کا حصول ایسا ناممکن نہ رہتا کہ عام آدمی کی اس تک رسائی ہی نہ ہو سکتی۔ کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے صاف اعلان فرمایا ہے کہ ﴿لَا يَكُفِّرُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وَسِعَهَا﴾ (۱۴) ”اللہ نے کسی جان پر ایسا بوجھ ڈالا ہی نہیں جس کو وہ اٹھانہ سکے۔“

مولانا اصلاحی لکھتے ہیں یہ دعا کے بیچ میں ایک جملہ معترضہ ہے اور اس کے لانے سے اس اہم حقیقت کا اظہار ہے کہ سماع و طاعت کی جو ذمہ داری اس امت پر ڈالی گئی ہے وہ بھاری ذمہ داری ہے۔ مگر اس میں ہر شخص تا بہ حد استطاعت مکلف ہے۔ شریعت نے اس امر کو احکام میں ملحوظ رکھتے ہوئے رخصتیں دی ہیں نہ تو اللہ کو بندوں کو تکلیف مالا یطاق میں ڈالنا پسند ہے نہ یہ جائز ہے کہ کوئی دوسرا ان کو کسی ایسے بوجھ میں ڈالے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ حضور ﷺ بھی سماع و طاعت کا عہد لیتے وقت تا بہ حد استطاعت کی شرط لگوا دیتے۔ (۱۵)

لہذا یہ دور بگاڑ کے مذہبی پیشوا ہوتے ہیں جو انسانوں پر ایسے ایسے بوجھ لادیتے ہیں

قرآن کا تصور نجات اور مسلمانوں میں رائج تصورات کا تحقیقی مطالعہ

جن کے نیچے وہ دب جاتے ہیں اور نجات کے آسان راستوں کی تلاش ان کی مجبوری بن جاتی ہے۔

نیکی کے ارفع تصور کو اختیار نہ کر سکنے کی مجبوری کے پیش نظر بگاڑ کے دور میں لوگ نجات کے جن ذرائع پر مطمئن ہو جاتے ہیں ان کو نام، نسب و نسبت اور نذرانہ کی اصطلاحات کی صورت میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

1- نام:

عام لوگوں میں یہ تصور رائج ہو جاتا ہے کہ تم اپنے عمل کی بنا پر جنت حاصل نہیں کر سکتے البتہ اپنے مذہب پر پکے رہنے کی وجہ سے بالآخر تمہارا جنت میں داخلہ یقینی ہے لہذا بس تم اس نام کے ساتھ وابستگی کو سختی سے قائم رکھو یہ تصور لوگوں کے اندر احساس ذمہ داری پیدا کرنے کی بجائے مذہبی شدت پسندی کو جنم دیتا ہے۔ قرآن مجید نے محض نام کی بنا پر حصول جنت کے اس تصور کی نفی کر کے نجات اخروی کے حقیقی اسباب کو کھول کر بیان کیا ہے۔ سورۃ بقرہ میں ارشاد فرمایا:

﴿وقالوا لن يدخل الجنة الا من كان هوداً او نصارى تلك

امانيهم قل هاتوا برهانكم ان كنتم صدقين ۝ بلى من اسلم

وجهه وهو محسن فله اجره عند ربه ولا خوف عليهم ولا هم

يحرزنون ﴿ (۱۶)۔

انہوں نے کہا کہ کوئی بھی شخص جنت میں ہرگز داخل نہیں ہو سکے گا جب تک وہ یہودی

قرآن کا تصور نجات اور مسلمانوں میں رائج تصورات کا تحقیقی مطالعہ

اور عیسائی نہ ہوگا یعنی جنت میں داخلے کے لئے یہودی یا عیسائی نام کے ساتھ وابستگی ضروری ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ان کی خواہشات ہیں اس دعویٰ یا عقیدے کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ ایسا عقیدہ رکھنے والوں سے کہو کہ اپنے اس دعویٰ کی سچائی پر دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو پھر اللہ تعالیٰ نے آخرت میں نجات کے حقیقی اسباب کو بیان کر کے پوری انسانیت کے سامنے حق کو روشن کر دیا فرمایا: ہاں جو اپنی خود مختاری سے دستبردار ہو کر کلی طور پر اللہ کا مطیع فرمان ہو گیا اور اس نے اپنے عمل کے اندر کامل درجے کا حسن پیدا کرنے کی کوشش کی پس اس کا اجر اس کے رب کے پاس محفوظ ہوگا اسے کسی خوف کا اندیشہ ہوگا اور نہ وہ کسی غم میں مبتلا ہوگا ان دو آیات کے مضمون نے آخرت میں نجات کیلئے محض نام سے وابستگی کی نفی کر کے ایمان اور عمل میں حسن پیدا کرنے کو معیار نجات ٹھہرایا ہے یہ معیار عقل کے بھی عین مطابق ہے اور فطرت انسانی بھی اسی تصور کی تائید کرتی نظر آتی ہے۔

۲۔ نسب:

نسب کو بھی نجات کا ذریعہ قرار دے کر مختلف مذاہب نے اپنے پیروکاروں کو خوش اور مطمئن کرنے کا سامان کیا۔ نسب پر نجات کے انحصار کا تصور لوگوں کے اندر عجب، تکبر، نخوت اور غرور جیسی صفات بد پیدا کر دیتا ہے اس تصور کے نتیجے میں لوگ عمل سے تہی ہو جاتے ہیں بلکہ انکے ہاں عمل بے توقیر ٹھہرتا ہے اور نسب با وزن بن جاتا ہے چنانچہ آخرت میں کامیابی کا یہ غلط تصور اس دنیا کے معیار فضیلت پر بھی اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہتا چنانچہ اس تصور کے زیر اثر معاشروں کے اندر کارکردگی کے ذریعے مقام بلند پانے کی بجائے نسب بدل کر عزت پانے کا

قرآن کا تصور نجات اور مسلمانوں میں رائج تصورات کا تحقیقی مطالعہ

رواج عام ہو جاتا ہے قرآن مجید نے اس خرابی کی بھی نشاندہی کی اور اس کی اصلاح کرنے پر زور دیا فرمایا کہ:

﴿وقالت اليهود والنصارى نحن ابناء الله واحباءه قل فلم يعذبكم بذنوبكم بل انتم بشر ممن خلق يغفر لمن يشاء ويعذب من يشاء والله ملك السموات والارض وما بينهما واليه المصير﴾ (۱۷)

”یہود و نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ کے پیارے اور چہیتے ہیں آپ ان سے پوچھئے کہ اگر ایسا ہے تو پھر اللہ تمہارے کرتوتوں پر تمہیں سزا کیوں دیتا ہے تم عالی نسب نہیں ہو بلکہ عام انسانوں کی طرح انسان ہو جنہیں اللہ نے پیدا فرمایا ہے لوگوں کی بخشش کا انحصار نسب پر نہیں بلکہ خالصتاً اللہ کی چاہت پر موقوف ہے جو اللہ کے نزدیک بخشش کا مستحق ہوگا اسے اللہ بخش دے گا اور جو اس کے نزدیک گرفت اور پکڑ کا مستحق ہوگا اسے سزا دے گا آسمان اور زمین کی بادشاہت اور جو کچھ اس کے درمیان میں ہے سب کا مالک اللہ ہے، تمام انسانوں کو لوٹ کر اسی کی طرف جانا ہے اور سب کو اسی کے سامنے حاضر ہو کر اپنی زندگی کا حساب دینا ہے اس آیت میں نسب پر انحصار کی نفی کر کے عمل پر انحصار کی تعلیم دی گئی ہے۔ تقریباً تمام مفسرین نے اس آیت کی وضاحت میں بنی اسرائیل کی تاریخ سے دلائل دیئے مثلاً امام زختری لکھتے ہیں:

(ابناء الله) اشاع ابن الله عزيزو المسيح كما قيل الاشباع ابى خبيب وهو عبد الله بن زبير و الخبيبيون و كما كان يقول رھط

قرآن کا تصور نجات اور مسلمانوں میں رائج تصورات کا تحقیقی مطالعہ

مسيلمہ نحن ابنياء الله و يقول اقرباء الملك وزرده
وحشمه: نحن الملوک و لذ لك قال مومن ال فرعون لكم
الملك اليوم (فلم يعذبكم بذنوبكم) فان صح انكم ابناء الله
و احبباء ه فلم تعذبون بذنوبكم فتمسخون و تمسکم النار
ايام معدودات على زعمكم ولو كنتم ابناء الله لكم من جنس
الاب، غير فاعلين للضائح ولا مستوجبين للعقاب من خلق
من البشر (يعفر لمن يشاء) وهم اهل الطاعة (و يعذب من
يشاء) وهم العصاة (۱۸)۔

اسی طرح مولانا اصلاحی لکھتے ہیں:

”جب تم نے خدا سے سرکشی کی اس نے ایسی عبرت انگیز سزائیں دیں کہ دنیا کی کسی قوم
کی تاریخ میں ایسی سزاؤں کی مثال نہیں مل سکتی..... یہ سب واقعات تورات میں درج ہیں۔
اگر ابراہیم و اسحاق کی اولاد ہونے کی وجہ سے تمہیں کوئی براءت نامہ حاصل ہے تو اس نے تمہیں
دنیا میں کیوں عذابوں سے نہ بچایا۔ (تو آخرت میں بچاؤ کیسے ممکن ہے) (۱۹)
درج بالا حوالہ جات نامہ و نسب کے نجات پر اثر انداز ہونے کی تصور کی دلائل کے ساتھ
نفی کرتے ہیں۔

۳۔ نسبت:

قرآن کا تصور نجات اور مسلمانوں میں رائج تصورات کا تحقیقی مطالعہ

نسبت پر نجات کا انحصار بھی لوگوں کے اندر خوش فہمی اور خوش عقیدگی کو جنم دینے کا باعث بنتا ہے وہ اپنی نسبت پر فخر کرتے اور اسی کو آخرت میں نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں نسبت پر انحصار کا تصور لوگوں کے اندر عمل کی بجائے ذریعے اور وسیلے کی قدر و قیمت کو عام کر دیتا ہے لوگ عمل کی مشقت میں پڑنے کی بجائے ایسے ذریعے کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں جو ان کی نجات اخروی کا ذمہ لے لے، چنانچہ ایسے معاشروں کے اندر نسبتوں کی تلاش، اپنی اپنی نسبتوں پر فخر اور ان کے ساتھ تعلق مبالغے کی حد تک پہنچ جاتا ہے اس تصور کو بھی قرآن مجید نے رد کیا ہے اور نجات کے لئے عمل کو واحد ذریعے کے طور پر پیش کیا ہے۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ إِندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يُرُونَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَإِنَّ اللَّهَ لَشَدِيدُ الْعَذَابِ إِذْ تَبَرَأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَإِرَاوَا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةٌ فَنَتَّبِعُ اللَّهُ مَنَّا كَذَلِكَ يَرْيَهُمْ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ﴾ (۲۰)۔

ترجمہ اور ترجمانی پیش خدمت ہے۔

لوگوں میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اللہ کے سوا دوسری غیبی طاقتوں اور مقدس ہستیوں کے ساتھ وابستگی کو نجات کا ذریعہ قرار دیتا ہے وہ ان سے محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے محبت ہوتی ہے مگر جو مومن ہیں وہ صرف اللہ ہی سے شدید محبت کرتے ہیں اگر تو دیکھے ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ کے علاوہ سہارے بنا کر اپنے اوپر ظلم کیا جب وہ اپنے اعمال کی سزا کو دیکھیں گے

قرآن کا تصور نجات اور مسلمانوں میں رائج تصورات کا تحقیقی مطالعہ

اور یہ دیکھیں گے کہ اس سزا سے بچانے کے لئے جن پر ہم نے انحصار کیا تھا وہ تو موجود نہیں یہاں تو قوت ساری کی ساری اللہ کی ہے اور یقیناً اللہ کی سزا بڑی سخت ہے یاد کرو اس وقت کو جب جن کی اتباع کی جاتی تھی وہ ان لوگوں سے جو اتباع کیا کرتے تھے اعلان برأت کر دیں گے اور خوش فہمیوں میں پڑنے والے اپنے اعمال کی سزا کو دیکھ لیں گے اور انکے وہ تمام سہارے ٹوٹ جائیں گے جن کے بل بوتے پر انہوں نے آخرت میں اپنی نجات کو یقینی سمجھ لیا تھا تب اتباع کرنے والے کہیں گے کہ کاش ہمیں دنیا میں جانے کا ایک موقع اور ملے اور ہم بھی ان سے اسی طرح اعلان برأت کر کے (خالص اللہ کی خوشنودی کیلئے اعمال بجالائیں) جس طرح انہوں نے ہم سے اعلان برأت کر دیا ہے اس طرح اللہ انکے بزم خود اچھے اعمال کو ان کے لئے باعث حسرت و یاس بنا دے گا کیونکہ انہوں نے یہ اعمال اللہ کو راضی کرنے کی بجائے ان ہستیوں کی خوشنودی کی خاطر کئے تھے، جن کے ساتھ نسبت رکھنا ان کے خیال میں ان کی آخرت کی نجات کا باعث تھا وہ تو دنیا میں اس بات پر مطمئن تھے کہ ان کی نسبتیں ان کی نجات کا یقینی ذریعہ ہیں مگر وہ جہنم میں ایسے گریں گے کہ وہاں سے نکلنے کا نام تک نہ لیں گے۔

۴۔ نذرانہ:

دور بگاڑ میں نذرانے کو بھی نجات کا ایک اہم ذریعہ سمجھا جاتا ہے یہ تصور دراصل آخرت میں فیصلوں کے معیار کو دنیاوی فیصلوں کے مطابق سمجھنے کی غلط فہمی سے جنم لیتا ہے بدعنوان معاشروں میں کام بنانے میں مال و دولت کو بہت دخل حاصل ہو جاتا ہے وہ معاشرے دام بنائے کام جیسے محاوروں کا عملی منظر پیش کرتے ہیں ایسے معاشروں میں لوگوں کے ذہن کا سانچہ کچھ اس

قرآن کا تصور نجات اور مسلمانوں میں رائج تصورات کا تحقیقی مطالعہ

قسم کا بن جاتا ہے کہ وہ انصاف کو بھی بکاؤ مال سمجھنے لگ جاتے ہیں ان کے خیال میں ہر نعمت اور ہر کامیابی مال کے بدلے میں حاصل کی جاسکتی ہے ان کے ان تصورات کو معاشرے کی عملی صورت حال پختہ تر کرتی چلی جاتی ہے، چنانچہ وہ آخرت کو بھی دنیا پر قیاس کر کے یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ آخرت میں بھی نجات نذرانے کے ذریعے حاصل کی جاسکتی ہے آخرت میں نذرانے کے ذریعے نجات حاصل کرنے کا تصور جہاں ایک طرف بد عنوان معاشرے کی پیداوار ہوتا ہے وہیں دوسری طرف یہ بد عنوانی کو جنم دینے اور اسے عام کرنے کا بھی باعث بنتا ہے اس تصور کے مطابق جس کے پاس دولت ہے وہ ہر چیز کو اپنے حق میں استعمال کرنے کی قدرت رکھتا ہے حتیٰ کہ وہ مال کے ذریعے اللہ کے فیصلوں پر بھی اثر انداز ہو سکتا ہے یہ تصور انصاف کا خون کر دیتا ہے اور یہ مالداروں کے لئے نہایت پرکشش جبکہ بے نواؤں کے لئے باعث صد محرومی ہے مال کے بدلے نجات پانے پر یقین رکھنے والوں کی خوش فہمی کو اللہ تعالیٰ نے دو ٹوک انداز میں رد کر دیا ہے ساتھ ہی سفارش پر انحصار کرنے والوں کی بھی اصلاح کر دی ہے کہ وہ اس قسم کی کسی خوش فہمی میں پڑ کر اپنی آخرت سے غافل نہ رہیں بلکہ نجات کے حقیقی ذریعے یعنی عمل کی راہ کو اختیار کریں سورۃ الانعام میں آتا ہے:

﴿وَذُرِّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَغَرْتَهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا
وَذَكَرَ بِهِ أَنْ تَبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ
وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ وَإِنْ تَعَدَلَ كُلُّ عَدَلٍ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا أُولَئِكَ الَّذِينَ
ابْتَلَوْا بِمَا كَسَبُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ
بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ﴾ (۲۱)

قرآن کا تصور نجات اور مسلمانوں میں رائج تصورات کا تحقیقی مطالعہ

”چھوڑ دو ان لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے انہیں دنیا کی زندگی (کی آسائشات و فراوانیوں) نے فریب اور دھوکے میں مبتلا کر رکھا ہے آپ قرآن کے ذریعے نصیحت اور تنبیہ کرتے رہو کہ کہیں کوئی شخص اپنے کرتوتوں کے وبال میں گرفتار نہ ہو جائے گرفتار بھی اس دن ہو جس دن اللہ سے بچانے والا کوئی حامی اور کوئی سفارشی اس کے لئے نہ ہو اور اگر ہر ممکن چیز فدیہ میں دے کر چھوٹنا چاہے تو وہ بھی اس سے قبول نہ کی جائے کیونکہ ایسے لوگ تو خود اپنی کمائی میں پکڑے جائیں گے ان کو اپنے انکار حق کے بدلے میں کھولتا ہوا پانی پینے کو اور دردناک عذاب بھگتنے کو ملے گا۔“

اس آیت مبارکہ میں نذرانے کے ساتھ ساتھ سفارش کی بھی نفی کر دی گئی ہے اگرچہ نسبت پر انحصار کی نفی دراصل سفارش ہی کی نفی ہے تاہم سفارش کے بارے میں چند مزید باتیں پیش خدمت ہیں آخرت میں نجات کے لئے ایسی کسی سفارش کا کوئی امکان نہیں ہے جو حق کو باطل اور باطل کو حق کر دے کیونکہ اللہ کا فیصلہ علم پر مبنی ہوگا اور وہ اکیلا اپنی قوت سے نافذ کرنے پر قادر ہو گا اللہ کیلئے کسی ایسی مجبوری کا تصور بھی اس کی شان میں نہایت بے ادبی ہے کہ جس کی بناء پر وہ اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور ہو جائے خواہ محبت کی بناء پر یا ڈر یا خوف کی بناء پر پس اللہ کے ہاں صرف ایسی سفارش کے منظور ہونے کا امکان باقی رہ جاتا ہے جو خود اس کی اجازت سے ہو چنانچہ کھلم کھلا نافرمانیوں کے ارتکاب کے بعد اگر کوئی اس خوش فہمی میں رہنا چاہے کہ کسی کی سفارش اسے گرفت سے بچا کر فلاح سے ہمکنار کر دے گی تو بڑے شوق سے رہے لیکن یاد رکھے کہ اللہ کے قرآن میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے اللہ نے شفاعت کو بھی اپنی اجازت کے ساتھ مشروط کیا ہے اور ایک جگہ یہ بات بھی واضح کی ہے کہ سفارش کرنے والا صحیح سفارش کرے گا آج مسلمانوں میں بھی نبی

قرآن کا تصور نجات اور مسلمانوں میں رائج تصورات کا تحقیقی مطالعہ

اکرم ﷺ کی شفاعت کا جو تصور پایا جاتا ہے اس کی بناء پر ہمیں نافرمانی پر جری نہیں ہو جانا چاہئے بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پورے خلوص کے ساتھ اطاعت بجالاتے ہوئے شفاعت نبوی ﷺ کی امید رکھنی چاہئے۔

قرآن کا تصور نجات اور مسلمانوں میں رائج تصورات کا تحقیقی مطالعہ

حوالہ جات

- ۱۔ راغب اصفہانی، امام، مفردات القرآن، ص ۲۱، المجدیث اکادمی لاہور
- ۲۔ القرآن، ۲۹: ۶۴
- ۳۔ اقبال، بانگ درا
- ۴۔ القرآن، ۸: ۹
- ۵۔ طبری، محمد ابن جریر، امام، جامع البیان عن تاویل القرآن، جز ۸، ص ۱۲۲ تا ۱۲۳، دار الفکر، بیروت
- ۶۔ القرآن، ۶: ۹۳
- ۷۔ القرآن، ۸۲: ۱۰
- ۸۔ اصلاحی، امین احسن، مولانا، تدبر قرآن، ج ۹، ص ۲۴۴، فاران فاؤنڈیشن لاہور
- ۹۔ القرآن، ۶۹، ۱۹ تا ۲۸
- ۱۰۔ الزمخشری، محمود بن عمر، الکشاف عن حقائق غوامض القرآن، الجزء الرابع، ص ۷۲
- ۱۱۔ القرآن، ۸۹: ۲۷ تا ۳۰
- ۱۲۔ الطبری، امام، البیان عن تاویل القرآن، الجزء ثلاثون، ج ۱۵، ص ۱۹۰، دار الفکر
- ۱۳۔ البصاوی، ناصر الدین، عبد اللہ بن عمر، انوار التنزیل و اسرار التاویل، الجزء الثاني، ص ۵۵۹، مکتبہ شرکت و مصطفیٰ الہامی
- ۱۴۔ الزمخشری، الکشاف، الجزء الرابع، ص ۷۰۲

قرآن کا تصور نجات اور مسلمانوں میں رائج تصورات کا تحقیقی مطالعہ

۱۵۔ مشکوٰۃ المصابیح، ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب عمری، مترجم: ج ۱، ص ۱۶،

کتاب الایمان، قرآن محل کراچی

۱۶۔ القرآن، ۲: ۲۸۶

۱۷۔ اصلاحی، امین احسن مولانا، تدریس قرآن، ج ۱، ص ۶۵۰، فاران فاؤنڈیشن

۱۸۔ القرآن، ۲: ۱۱۱، ۱۱۲

۱۹۔ القرآن، ۴: ۱۸

۲۰۔ الرخصی، الکشاف، الجزء الاول، ص ۶۱۸

۲۱۔ اصلاحی، تدریس قرآن، ج ۲، ص ۲۸۳

۲۲۔ القرآن، ۲: ۱۶۵ تا ۱۶۷

۲۳۔ القرآن، ۶: ۷۰